دعوت الی اللہ کے کام کو منظّم طور پر کریں۔

بنگلہ دیش کی سربراہ کو تنبیہ اور نصیحت

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۸؍دسمبر ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُكُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهۡلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمۡتُمۡ بَيۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡكُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمۡ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيۡعًاۢ بَصِيۡرًا ﴿۵۹﴾ (النساء:۵۹)

پھر فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانات ان کے اھل کے سپرد کیا کرو اور جب تم لوگوں پر ان کے انصاف کے لئے مقرر کئے جاؤ۔ یہ مقرر کرنے کا معنی میں نے مفہوم کے طور پر بیان کیا ہے۔ آیت کا ترجمہ صرف اتنا ہے کہ وَاِذَا حَكَمۡتُمۡ بَيۡنَ النَّاسِ جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو، مقرر کئے جانے کا معنی میں نے اس لئے بیچ میں بیان کیا ہے کہ آیت کے پہلے حصے کا اس سے تعلق ہے، اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُكُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهۡلِهَا اس کا ایک معنی یہ ہے کہ اے اپنے حاکموں کا انتخاب کرنے والو! جب تم اپنے حاکم چنا کرو، امیر چنا کرو تو یاد رکھو کہ اسی کو چنو جو اس کا اھل ہو۔ اب آیت کروٹ بدلتی ہے اور جو چنا جاتا ہے اس کو مخاطب ہوتی ہے تو ان معنوں میں مقرر ہونے کا مضمون اس میں داخل ہے۔ پس معنی یہ ہوئے کہ وہ جو چنے جاتے ہیں جن پر

اعتماد کیا جاتا ہے، جن کو اہل سمجھا جاتا ہے جب وہ کسی عہدہ پر فائز کر دیئے جائیں تو ان کو خدا تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ وہ پھر انصاف سے فیصلہ کریں اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ اللہ بہت ہی اچھی نصیحت کرنے والا ہے کیسی پیاری نصیحت فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا اللہ بہت سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

اس مضمون سے متعلق کچھ اور کہنے سے پہلے میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ گزشتہ خطبہ میں جب میں نے یہ بیان کیا کہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے سوا مجھے تمام نبیوں کی تاریخ میں ایک بھی اور نبی دکھائی نہیں دیا جس کو خلق خدا امین کہتی ہو جس کی امانت اور دیانت کی شہرت ایسی عام ہوگئی ہو کہ قوم اسے دیکھ کر امین، امین پکار اُٹھے اس پر کسی نے مجھے توجہ دلائی کہ حضرت موسیٰؑ کے متعلق بھی ایک عورت کی گواہی ہے کہ وہ قوی اور امین ہیں حالانکہ ان دو باتوں میں بہت نمایاں فرق ہے۔ کہاں یہ کہ پوری قوم جس کے ساتھ ایک شخص کا واسطہ پڑتا ہو بچپن سے لے کر جوانی تک اس نے اس کو ہر حال میں دیکھا ہو وہ بے اختیار یک زبان ہو کر کسی کو امین کہتی رہے اور کہاں یہ قصہ جس کی اس کے ساتھ کوئی نسبت نہیں کہ حضرت موسیٰؑ نے جب دو بیچاری بچیوں کے ریوڑ کو پانی پلایا تو انہوں نے گھر جا کر اپنے باپ سے یہ حکایت بیان کی اور بتایا کہ ہم سے ایک نیک دل آدمی نے کیا سلوک کیا اور ساتھ ہی یہ مشورہ بھی دیا کہ ان کو اپنے پاس رکھ لو، کام آئے گا اور اس ضمن میں کہا کہ قوی بھی ہیں اور امین بھی ہیں تو حضرت موسیٰؑ سے جو واسطہ تھا وہ محض چند لمحوں کا سرسری واسطہ تھا اور پھر ایک لڑکی کی گواہی تھی اور اس گواہی میں دراصل ایک دفاع تھا، ایک نفسیاتی کیفیت تھی جس کا اظہار کیا گیا ہے۔ ایک لڑکی اپنے باپ سے جب کسی مرد کو ملازم رکھنے کی بات کرتی ہے تو اس کے شعور کے پس منظر میں ضرور یہ سوال پیدا ہوگا کہ میرا باپ کیا سوچے گا کہ کس قسم کا آدمی ہے، کس کی سفارش کر رہی ہے تو ان چند لمحوں میں اس بچی نے حضرت موسیٰؑ کے کردار کا جو اندازہ لگایا تھا اس اندازے کو اس طرح پیش کیا کہ اسے گھر میں رکھنے سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ہم نے تو جہاں تک دیکھا ہے وہ قوی ہے اور امین ہے قوی سے مراد ہے کہ اپنی امانت کی حفاظت کرنا بھی جانتا ہے، کوئی ایسا کمزور انسان نہیں جو آج کچھ ہو اور کل کچھ۔ متلون مزاج آدمی اگر امین بھی ہو تو اس کی امانت کا اعتبار نہیں رہتا۔ ایک بات تو یقیناً ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے کردار میں ایسی عظمت پائی جاتی تھی کہ اسے دیکھ کر ایک بچی نے موقع کے

مطابق بہت عمدہ فیصلہ کیا اور اس کا بہت عمدہ تعارف کرایا لیکن اسے یہ کہنا کہ گویا ساری قوم نے حضرت موسیٰ کی امانت کی گواہی دی ہو یہ درست نہیں ہے۔

جہاں تک انبیاءؑ کا تعلق ہے، انبیاءؑ پر اس کے برعکس الزام تو لگے ہیں مگر قومی گواہی حضرت محمد مصطفی ﷺ کے سوا کسی کے حق میں نہیں دی گئی۔ مثلاً حضرت یوسفؑ پر کہ جس کے گھر میں تھے اس گھر کی امانت پر خیانت کا الزام لگا تو خدا تعالیٰ نے اس الزام کو سراسر جھوٹا ثابت کر دیا لیکن یہ بعد کی بات ہے۔ حضرت یوسفؑ پر اپنے بھائیوں کی طرف سے چوری کا الزام بھی لگا۔ حضرت کرشنؑ پر ان کے اپنے ماننے والوں کی طرف سے چوری کا الزام ہے۔ ان کا نام ہی مکھن چور رکھا ہوا ہے تو انبیاءؑ بے چاروں کے اوپر ناجائز غلط الزام، دل آزاری کے الزام لگتے رہے ہیں۔ خود موسیٰؑ پر بھی لگتے تھے۔ چنانچہ قرآن کریم نے فرمایا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا (الاحزاب: ۷۰)

فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا اے ایمان والو! دیکھو، موسیٰ کے لوگوں کی طرح نہ ہو جانا۔ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو غلط باتیں کہہ کر موسیٰ کو دُکھ پہنچایا کرتے تھے، غلط الزام اس پر لگایا کرتے تھے پس فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا اللہ نے اس کو بری فرمایا۔ تو قوموں نے اپنے اپنے انبیاءؑ سے نبوت سے پہلے بھی ظلم کے بڑے سلوک کئے ہوئے ہیں، کئی قسم کے الزام لگائے ہیں لیکن حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کا کردار واضح طور پر اتنا نمایاں، صاف اور واضح روشن تھا کہ تبھی قرآن کریم نے آپؐ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ان کو کہہ دے: فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (یونس: ۱۷)

میں اس سے پہلے تم میں ایک پوری عمر گزار چکا ہوں۔ تم سارے گواہ ہو ایک ادنیٰ سا ایک ذرہ بھی کردار کے داغ کا تم نے مجھ پر لگانے کی بھی کوشش نہیں کی۔ پس حضرت محمد مصطفی ﷺ کی امانت اور دیانت اتنی صاف اور نمایاں اور روشن ہو کر چمکی ہے کہ اگرچہ تمام انبیاءؑ امین تھے، تمام انبیاء دیانتدار تھے اس میں ذرہ بھی شک نہیں لیکن جب محمد رسول اللہ ﷺ کے سامنے ان انبیاءؑ کو رکھا جاتا ہے تو ویسی ہی کیفیت دکھائی دیتی ہے جیسے کسی نے کہا۔

ے رات محفل میں تیرے حسن کے شعلے کے حضور
شمع کے منہ پر جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا

تو اتنا حسین، اتنا روشن چہرے والا انسان ہے کہ تیرے مقابل پر جب ہم نے شمع کو دیکھا تو نور کا کوئی نشان دکھائی نہ دیا۔ پس یہ موازنہ کی باتیں ہیں شمع تو روشن ہی ہوتی ہے لیکن جب ایک روشن تر وجود شمع کے سامنے آجائے تو شمع کی روشنی مدھم اور پھیکی پڑ جایا کرتی ہے۔ پس حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی سچی تعریف میں کسی اور بزرگ نبی کی بُرائی (**نعوذ باللہ من ذالک**) ہرگز مقصود نہیں سب اپنی اپنی جگہ اچھے تھے۔

سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر
لیک از خدائے برتر خیر الوریٰ یہی ہے (درثمین صفحہ: ۸۳)

دیانت کی جو شان محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات میں چمکی ہے ویسی شان آپ ساری دنیا میں ڈھونڈ کر دیکھیں آپ کو کہیں اور دکھائی نہیں دے گی۔

دوسرا امر جس کی طرف مجھے متوجہ کیا گیا ہے وہ ایک معمولی نقطہ ہے میں نے مثال دیتے ہوئے یہ بیان کیا تھا کہ تصنیف کا شعبہ بھی ایک اہم شعبہ ہے اور اس کا حق ادا کرنے کے کیا طریق ہیں وہ بھی تو ایک امانت ہے۔ مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ باہر کی دنیا میں تصنیف کا شعبہ الگ نہیں ہے بلکہ اشاعت کے ساتھ ہی اس کا تعلق ہے۔ عملاً تو کوئی بھی فرق نہیں پڑتا اشاعت میں تصنیف داخل ہو یا تصنیف کا شعبہ الگ ہو جہاں تک ذمہ داریوں کا تعلق ہے وہ تو اسی طرح رہتی ہیں پس جماعتی امانتوں کے سلسلہ میں اب میں ایک دو اور مثالیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

اصلاح وارشاد یعنی تبلیغ اور دوسروں تک حق بات پہنچانا اور دعوت الی اللہ تمام بنی نوع انسان کو اللہ کی طرف دعوت دینا ایک بہت ہی اہم شعبہ ہے اور دنیا کے ہر ملک میں جہاں نظام جماعت قائم ہے وہاں خدا کے فضل سے یہ شعبہ بھی رائج ہے لیکن جہاں تک میں نے جائزہ لیا ہے دعوت الی اللہ کے یا اصلاح وارشاد کے بہت کم سیکرٹری ایسے ہیں جنہیں اس بات کا شعور ہے کہ وہ ہیں کیا؟ اور اپنے منصب کا یہ پتا نہیں، یہ علم نہیں کہ ان پر کیا کیا ذمہ داریاں ہیں اور کس طرح وہ ادا کرنی ہیں؟ اگر تمام سیکرٹری اپنی پوری ذمہ داری سمجھتے ہوئے بیدار ہو جائیں اور فعال ہو جائیں تو ساری دنیا کی جماعتوں میں ایک شور برپا ہو جائے۔ سیکرٹری مال کی مثال دیکھیں وہ ایک ایسا سیکرٹری ہے جو روایتاً مسلسل سالہا سال سے جماعت میں بڑی محنت اور خلوص سے اور مستقل مزاجی سے کام

کرتا چلا آتا ہے اور سیکرٹری مال کے تصور کے ساتھ ہی ایک محنتی ، پُر خلوص ،امانت کا حق ادا کرنے والا، دن رات اس فکر میں غلطاں کہ میرا بجٹ کیسے پورا ہوگا ایسے وجود کا ایک تصور اُبھرتا ہے۔ بالکل ایسا ہی تصور ہر ایک دوسرے شعبے کے سیکرٹری کے متعلق جماعت میں قائم ہونا چاہئے اور یہ تصور تبھی قائم ہوگا جب وہ ایسے کام کریں گے۔ جہاں تک میں نے نظر دوڑا کر دیکھا ہے سیکرٹری مال الا ماشاء اللہ خدا کے فضل سے بہت محنت کرتے ہیں۔ کراچی کے سیکرٹری مال مجھے یاد ہے کہ بہت بچپن کے زمانہ سے اب تک جو بھی رہے ان کا یہ حال رہا کہ وہ صبح دفتر جاتے تھے دفتر سے جماعت کے دفتر چلے جایا کرتے تھے، جماعت کے دفتر سے رات گیارہ بارہ بجے اس وقت گھر لوٹا کرتے تھے کہ جب بیوی بچے سب سو چکے ہوں اور یہ ایک دو دن ،ایک دو مہینے کی بات نہیں انہوں نے سالہا سال اسی طرح عمریں گزار دیں۔ تو جو شخص امانت کی اہمیت سمجھتا ہو وہ امانت کا حق ادا کرنے لگے تو اس کو محسوس ہوتا ہے کہ اس کی ساری زندگی بھی اس میں صرف ہو جائے تب بھی اس کے دل کو امانت کا حق ادا کرنے کا چین نصیب نہیں ہوسکتا۔ وہ اپنی ذات میں یہ سمجھتا رہتا ہے کہ ابھی یہ کوتاہی ہوگئی ابھی وہ کوتاہی ہوگئی اور ابھی تک میں ویسا کام نہیں کرسکا جیسا کہ حق تھا۔ اس جذبہ کے ساتھ جماعت کے عہدہ داروں کو پہلے اپنے منصب کو پہچاننا چاہئے ، اپنی ذمہ داریوں کا شعور حاصل کرنا چاہئے اس شعور کے مطابق پھر ان کا دل جاگ اُٹھے گا ان کا احساس زندہ ہو جائے گا۔ انہیں اپنی ذات سے تکلیف ہونی شروع ہو جائے گی وہ محسوس کریں گے کہ ان پر قرض کا بوجھ بڑھتا چلا جا رہا ہے اور یہ بوجھ ہے احساس کی شدت ہے جو ان کو کام کے لئے آگے بڑھاتی چلی جائے گی لیکن وہ احساس ہی بیدار نہ ہو، وہ شعور ہی بیدار نہ ہو، پتا نہ ہو کہ ہم کیوں بنائے گئے کس مقصد کے لئے کیا ذمہ داریاں ہم پر ڈالی گئی ہیں تو جماعت کے کام اسی طرح پڑے رہیں گے۔

پس دعوت الی اللہ میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ انفرادی طور پر ان احمدیوں کی وجہ سے ہو رہا ہے جو مختلف تحریکوں کے نتیجہ میں خود اپنے دلوں میں ایک ولولہ پیدا کر لیتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جن کو پھر تبلیغ کا جنون ہو جاتا ہے وہ دن رات اس میں لگے رہتے ہیں اور سیکرٹری اصلاح وارشاد کا زیادہ تر کام یہ ہے کہ ان کے پھل سمیٹ کر اپنی طشتری میں سجا کر جماعت کو پیش کردے۔ طشتری تو طشتری ہی رہے گی اصل تو اس درخت کی قدر و قیمت اور اسی کی شان ہے جس درخت نے وہ پھل پیدا کیا۔

پس آپ بھی وہ درخت بن سکتے ہیں ہر سیکرٹری وہ درخت بن سکتا ہے جو بار آور ثابت ہو جسے شیریں دائمی پھل لگیں۔ ایک فرد کو تو تھوڑے پھل لگ سکتے ہیں کیونکہ اس کا دائرہ کار محدود ہوتا ہے لیکن جب ایک عہدہ دار فعال ہو جائے ایک ثمر دار درخت کی شکل اختیار کر جائے تو پھر اس کی کوششوں سے ساری جماعت کو جو پھل لگتے ہیں وہ اس کے پھل بن جاتے ہیں۔ یہ ایسا درخت ہوتا ہے جس کے سائے تلے ساری جماعت آجاتی ہے اس کی شاخیں دور دور تک جماعت میں پھیل جاتی ہیں اور جماعت کا فیض پہنچاتی ہیں اسی لئے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی مثال ایک ایسے درخت کی سی دی ہے جس کی شاخیں پوری دنیا میں دور دور تک پھیلتی گئیں اور ان شاخوں کے سائے تلے لوگ آرام کریں گے اور اس کی ٹہنیوں پر پرندے بیٹھیں گے، اس کے پھل سے لوگ فائدہ اُٹھائیں گے تو سیکرٹریوں کو اس ذمہ داری کے ساتھ اپنے منصب کو سمجھنا چاہئے اور یہ سوچتے ہوئے کام کرنا چاہئے کہ جوابدہ تو وہ بہر حال ہوں گے امیر نے جواب طلبی نہ کی تو خدا تعالیٰ جواب طلبی کرے گا اور ایک اور مشکل یہ ہے کہ جواب طلبی کے خوف سے بھاگنے کی بھی جگہ کوئی نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ اپنی خدمت سے بھاگنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔ خود عہدے کی تلاش میں، عہدے کی طلب میں آگے بڑھ کر ہاتھ پھیلا کر عہدہ لینا یہ نہایت مکروہ حرکت ہے لیکن یہ بھی مکروہ حرکت ہے کہ کام کے بوجھ سے ڈر کر انسان پیچھے قدم اُٹھائے اور پیٹھ دکھا کر خدا کے کام دوسروں کے سپرد کر کے آپ بھاگ جائے۔ پس یہ ایسی امانت نہیں ہے جس میں آپ کو اختیار ہے یہ امانت وہ ہے جسے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے عواقب سے بے خبر ہو کر خود قبول کر لیا تھا، اپنے نفس پر ظلم کرتے ہوئے اور جانتے ہوئے کہ اس سے مجھے بہت تکلیف پہنچے گی پھر بھی اس امانت کو جو ساری دنیا کی ہدایت کا بوجھ تھا اُٹھانے کے لئے آپ ﷺ تیار ہوئے اور جَهُولًا (الاحزاب: ۷۲) ان معنوں میں کہ اس کے عواقب سے بالکل بے پرواہ ہو گئے ہم تو اب اس امین کے غلام بن کر اس دنیا میں آئے ہیں۔ اس غلامی کا تعلق توڑے بغیر ہم اس امانت کا بوجھ اُٹھانے سے الگ نہیں ہو سکتے۔ یہ وہ مضمون ہے جس کی وجہ سے جماعت احمدیہ میں عہدوں سے استعفیٰ ایک نہایت مکروہ اور بیہودہ حرکت سمجھی جاتی ہے۔ کئی لوگ لکھ دیتے ہیں کہ ہمیں معاف کیا جائے ہم اس قابل نہیں ہیں۔ قابل تو ایک ہی تھا یعنی محمد مصطفی ﷺ، آپؐ ہی کی غلامی آپؐ ہی کے صدقے ساری دنیا قابل بنائی جارہی ہے اور آپؐ کے سب غلاموں

کو کچھ نہ کچھ صلاحیتیں عطا ہوتی ہیں۔ پس قابلیت کا فیصلہ تو خدا نے کرنا ہے۔ یہاں قابلیت کا مضمون صرف اتنا ہے کہ جو کچھ ہے وہ لے کر حاضر ہو جاؤ جتنی بھی قابلیت ہے وہ پیش کر دو پس جب آپ اس کو امانت کے مضمون کے ساتھ ملا کر پڑھیں گے تو تب آپ کو سمجھ آئے گی کہ امانت کیا ہے۔ امانت سے وہ مراد نہیں ہے کہ جو تم میں طاقت نہیں ہے وہ بھی پیش کرو ورنہ خدا تمہیں پکڑے گا۔ انسان کی استعدادیں بھی امانت ہیں، اس کی تمام صلاحیتیں امانت ہیں، اللہ کی امانت کا بوجھ اس پر اتنا ہی ڈالا جائے گا جتنی خدا نے اس کو صلاحیتوں کی امانت ودیعت فرمائی ہے۔

پس اس امانت کے ساتھ بیرونی امانت کا ایک تعلق اور رشتہ ہے ایک توازن قائم ہے۔ اس کے درمیان عدل قائم ہے، اللہ تعالیٰ عدل سے فیصلے فرماتا ہے۔ پس کسی کے لئے موقع نہیں کہ اس کا ضمیر اسے کچوکے دے کہ تم پر جو ذمہ داری ڈالی گئی ہے وہ منصب تمہاری طاقت سے بڑھ کر ہے اس لئے اگر تم نے حق ادا نہ کیا تو مجرم بنو گے اس لئے اس کو چھوڑ دو۔ چھوڑنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ خدا نے جو سعادت بخشی ہے اسے قبول کرنا ہوگا کیونکہ یہ چھوڑنا محمد رسول اللہ ﷺ سے رشتہ توڑنے کے مترادف ہے اور کوئی سچا مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ہاں امانت طاقت کے مطابق ہوگی جس قدر خدا نے توفیق بخشی ہے اس کے مطابق آپ کام کریں۔ اتنا ضرور کریں اور کوشش کریں کہ توفیق کی آخری حدود تک آپ کا کام پہنچ جائے اور آپ امانت کی ذمہ داریوں سے پورے کے پورے بھر جائیں، آپ کا وجود اس پہلو سے مکمل ہو جائے کہ جو کچھ بھی خلا تھے وہ سارے بھر دیئے گئے ہیں جو آپ میں طاقت تھی اس کے مطابق آپ نے خدا کے حضور سب کچھ امانت کا حق ادا کرتے ہوئے پیش کر دیا پھر اللہ کے سپرد معاملہ ہے اللہ تعالیٰ احسان فرمانے والا ہے، عفو کرنے والا ہے، مغفرت فرمانے والا ہے جانتا ہے کہ انسان کمزور ہے پھر جہاں جہاں کمزوریاں ہوں گی خلا ہوں گے، جہاں بعض دفعہ ہم سمجھیں گے کہ ہم نے خدا کی خاطر کام کیا تھا مگر اپنی انا بیچ میں داخل ہو گئی، اپنے دکھاوے کی سرشت نے اس امانت کے حق کو گندہ کر دیا اور کئی قسم کے رخنے ہمارے کاموں میں پیدا کر دیئے۔ یہ تمام باتیں ہماری نظروں سے اوجھل رہتی ہیں۔ قیامت کے دن خدا جس کے سامنے کھولے گا اسی کو معلوم ہوگا۔

پس یہ جو دوسرا مضمون ہے اس میں انکساری کے ساتھ دُعا کرنے کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے کہ ہر شخص کو ہم نے ایسا بنایا ہے کہ اس کے اعمال اس کو زینت دکھائی دیتے ہیں، اپنے اعمال کو بہت خوبصورت سمجھتا ہے پھر ایک دن خدا کے حضور پیش ہونا ہے وہ بتائے گا کہ تمہارے اعمال کی حیثیت کیا تھی۔ پس جب آپ سب کچھ کر بیٹھیں تو اس وقت بھی محفوظ مقام تک نہیں پہنچتے۔ ہاں محفوظ مقام تک پہنچنے کی ایک کوشش ہے جو اپنی طرف سے بھر پور کر دی گئی۔ محفوظ مقام پر وہی ہے جسے خدا محفوظ قرار دے دے۔ انبیاءؑ بھی بے حد بے چینی میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ امین ہوتے ہیں اس کے باوجود کہ وہ امانت کا حق ادا کرنے کی سرتوڑ کوشش کرتے ہیں ساری جان اس میں ہلکان کر دیتے ہیں پھر بھی بے چین رہتے ہیں کہ کوئی کمی نہ رہ گئی ہو، کوئی کمزوری نہ ظاہر ہو گئی ہو۔ جماعت کے عہدے داران اگر اس روح کے ساتھ کام کریں گے تو مجھے ادنیٰ بھی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی کمزوریوں سے مغفرت کا سلوک فرمائے گا ان کی پاک نیتوں کو پیار اور محبت کی نظر سے دیکھے گا اور ان کے اعمال میں ان کی کوششوں میں غیر معمولی برکت ڈالے گا۔

جہاں بھی جماعت کے کچھ خدمت کرنے والے اس طرح پیار اور اخلاص سے خدمت کرتے ہیں ان کو ضرور برکت ملتی ہے۔ یہی انگلستان کی جماعت کی ایک بچی کا میں نے ذکر کیا کہ اس کو خدا تعالیٰ پھل پر پھل دے رہا ہے اور جو انگریز بچیاں اس نے مسلمان بنائیں ہیں ان کے اوپر اس کی چھاپ دکھائی دیتی ہے۔ وہی اخلاص وہی انکساری، وہی دین میں بشاشت اور پھر آگے پیغام پہنچانے کا جذبہ۔ ابھی دو دن ہوئے ہیں یہاں انگلستان کی جماعت کا ایک نوجوان مجھے ملا اس کے ساتھ ایک نیا احمدی تھا وہ بھی چہرے سے ہی نظر آتا تھا کہ بے حد فدائی اور سلسلے کا عاشق ہے اور ایمان کی پوری بشاشت اس کے چہرہ پر دکھائی دیتی تھی مجھے یہ معلوم کر کے بڑی خوشی ہوئی کہ یہ اس کا بنایا ہوا احمدی ہے۔ اس کی دعوت سے احمدی ہوا ہے حالانکہ وہ لڑکا خود بالکل نوجوان ہے، چھوٹی عمر کا ہے اور پھر اس نے بتایا کہ یہ ایک تو نہیں ہے آپ جب برمنگھم آئے تھے تو وہاں بھی میں نے ایک پیش کیا تھا وہ بھی اللہ کے فضل سے ایسا ہی ہے۔ اور پھر مجھے مزید تحقیق سے پتا چلا کہ اس کے والد بدقسمتی سے احمدی ہونے کے باوجود بہت دور جا چکے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے یا اس کے بزرگ دادا کی دُعائیں ہوں گی یا ماں کی دعائیں ہیں جو ان کے حق میں قبول ہوئیں کہ سارے ہی بچے اللہ کے فضل سے مخلص احمدی ہیں مگر یہ نوجوان تو بے حد عاشق اور دعوت الی اللہ میں ایسا فدا ہے کہ سب کچھ اس کا

دعوت الی اللہ بن چکا ہے۔ اس چھوٹی عمر میں نو جوانی کی عمر میں یہ فدائیت جس کو نصیب ہو اللہ کا بڑا احسان ہے اور باقی جن کو نصیب نہیں ان کے لئے لمحہ فکر یہ ہے کہ کیوں نصیب نہیں۔ تمہیں بھی خدا نے ایسے ہی اعضاء دیئے ہیں، تمہیں بھی خدا نے وہ طاقتیں عطا کی ہیں جن طاقتوں کو خدا کی راہ میں استعمال کرنے سے ایسے پھل لگ سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے ہر احمدی کے لئے اپنے منصب کو کم سے کم اس لحاظ سے پہچاننا ضروری ہے کہ ہمیں توفیق ہے یہ تو اعتراف کرنا ہوگا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی احمدی کہے کہ ہمیں توفیق نہیں ہے اس لئے ہم مجبور ہیں، توفیق سب کو ہے اس لئے آپ سے توفیق کے مطابق پوچھا جائے گا۔ اگر سو کی توفیق نہیں تو دس کی ہوگی دس کی توفیق نہیں تو ایک کی ہوگی۔ ایک سال میں ایک کی نہیں تو چند سالوں میں ایک کی ہوگی توفیق تو بہر حال ہے میں مان ہی نہیں سکتا کہ محمد ﷺ کے باغ کا کوئی پودا ہو اور وہ بانجھ ہو۔ خود بانجھ بننا چاہے تو وہ اور بات ہے مگر صلاحیتوں کے لحاظ سے آپ کو ان صلاحیتوں سے نوازا گیا ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں کی صلاحیتیں تھیں جن کو خدا تعالیٰ نے رِجَالٌ نام سے یاد کیا ہے۔ رِجَالٌ کا لفظ آپ کے غلاموں کے متعلق استعمال ہوا ہے کہ یہ وہ ہے جس کے ساتھ رِجَالٌ ہیں۔ وہ آیت یہ ہے کہ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ (النور:۳۸)

رِجَالٌ کا مطلب ہے جس میں بچے پیدا کرنے کی صلاحیت موجود ہو۔ محض مرد مراد نہیں، عام انسان مراد نہیں اور محض نہ اس میں جنس کی کوئی بحث ہے۔ آنحضرت ﷺ کے تمام غلام خواہ وہ مرد تھے خواہ وہ عورتیں تھیں روحانی لحاظ سے سب رِجَالٌ تھے ان میں مریمی صفات تھیں، کسی اور کی احتیاج کے بغیر ان کو بڑھنا آتا تھا۔ اس لحاظ سے رِجَالٌ کا لفظ جو مریمی صفات کا مظہر ہے وہ ان معنوں میں مومنوں پر بھی عائد ہوتا ہے مومنات پر بھی عائد ہوتا ہے۔ تبھی قرآن کریم نے تمام مومنوں کی مثال خواہ وہ عورتیں ہوں یا مومن مرد ہوں مریمؑ سے دی ہے۔ پس اگر آپ محمد ﷺ کے غلام ہیں تو خدا کہتا ہے کہ آپ کے اندر یہ صلاحیتیں موجود ہیں، آپ کو بڑھنا آتا ہے، بڑھنا سکھایا گیا ہے، آپ کے اندر بڑھنا ودیعت فرمایا گیا ہے۔ کیوں نہیں بڑھتے؟ اس نظر سے اگر سیکرٹری اصلاح وارشاد اپنی جماعت کا جائزہ لے اور خدا کے ان شیروں کو بیدار کرنے کی کوشش نہ کرے اور ہر مہینے اس فکر میں غلطاں نہ رہے کہ اس مہینے میں میں نے کتنے نئے احمدی ایسے پیدا کئے ہیں جن کے اندر اپنی صلاحیتوں کا شعور پیدا ہو گیا ہے وہ اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں ان کے اندر کا مرد جاگ اُٹھا ہے، وہ رجال

میں شامل ہو گئے ہیں اور اب خدا کے فضل سے وہ کام شروع کر چکے ہیں کہ جس کے نتیجہ میں لازماً انہوں نے بڑھنا ہے، پھولنا ہے پھلنا ہے، یہ وہ بنیادی کام ہے جو سیکرٹری اصلاح وارشاد کو کرنا چاہئے۔ یہ کام نہیں ہے کہ جو تبلیغ کرنے والے ہیں وہ ان کے پھل اکٹھے کرے اور اپنی رپورٹ کی طشتری میں سجا کر کسی کو بھجوا دے اور سمجھے کہ میرا کام بہت عمدگی سے پورا ہو گیا۔ یہ تو صرف ڈاکیے کا کام ہے سیکرٹری اصلاح وارشاد کا کام تو وہی ہے جو میں بتا رہا ہوں۔ پھر اس کو جائزہ لینا چاہئے کہ سارے معاشرے میں کس قسم کے لوگ ہیں، کتنے مذاہب ہیں، کتنی کتنی قوموں کے لوگ بستے ہیں۔ جب سے میں نے چارج لیا ہے میں نے ان پر نظر رکھتے ہوئے دن رات کام کیا ہے ایسا جس سے پہلے کی نسبت زیادہ قوموں تک احمدیت کا پیغام پہنچ رہا ہو یا قوموں کے علاوہ زیادہ مذہبوں کی طرف جماعت کا پیغام پہنچ رہا ہو؟ مختلف طبقات ہیں ان تک پیغام پہنچانے کے لئے میں نے کیا کوشش کی؟ اب طبقات کی بات ہے تو دیکھیں کہ صرف اساتذہ کا طبقہ تعلیم یافتہ ترقی یافتہ ممالک میں اتنا بڑا ہے کہ اگر کوئی سیکرٹری اصلاح وارشاد صرف اس طبقہ کو پیش نظر رکھ کر اپنا جائزہ لے کہ کیا کوششیں میں نے کی ہیں؟ کتنے خلا باقی ہیں، کیا چیزیں ہونے والی ہیں؟ تو وہ کانپ اُٹھے کہ ہزار ہا کی تعداد میں سکول کے اساتذہ ہیں۔ انگلستان میں بھی جہاں تک میرا خیال ہے پچاس ہزار سے تو لازماً زیادہ ہوں گے۔ بہت بڑی تعداد ہے مجھے کوئی اندازہ نہیں اس لئے پچاس ہزار والی جو گنتی ہے اس پر بنا نہیں ہے یہ میں جانتا ہوں کہ بہت بڑی تعداد ہے۔ اتنی بڑی تعداد ہے کہ ایک ایک احمدی کو تقسیم کریں تو کئی کئی استاد ہاتھ میں آئیں گے۔ تو کام تو اتنا زیادہ پڑا ہے کہ سیکرٹری اصلاح وارشاد اس کام کا جائزہ لے کر پھر خدا سے دُعا کرتے ہوئے عاجزانہ کوششیں شروع کرے اور طبقے کو جماعت کی طرف متوجہ کرنے کے کوئی طریقے ڈھونڈے، ان کو سامنے رکھتے ہوئے کچھ اشتہار بنائے یا بنوائے اور ان کو بتائے کہ ہمارے پاس یعنی جماعت کے پاس اُن کے لئے کیا ہے۔ نصیحت کا کوئی پیغام بھیجے۔ ضروری نہیں ہوتا کہ تبلیغ براہ راست کھینچ کر بلانے والے کو کہتے ہوں تبلیغ پہنچانے کو کہتے ہیں اور پہنچانے کا مطلب ہر نیک بات پہنچانا ہے تبھی انبیاءؑ صرف یہ دعوت نہیں دیا کرتے تھے کہ آؤ اور ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ بلکہ نیکیوں کے پیغام دیا کرتے تھے اور نیکیاں بانٹتے پھرتے تھے۔

آجکل سکولوں میں جو بدیاں رواج پا گئی ہیں۔ کئی قسم کے خوفناک جرائم وہاں راہ پکڑ گئے

ہیں اور آئندہ آنے والی نسلوں کو تباہ کرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں اُن سے متعلق ایک احمدی ایک دردمندانہ اپیل کرتا ہے۔ سیکرٹری اشاعت اس اپیل کو پسند کر کے علماء کو دکھا کر جائزہ لینے کے بعد تسلی سے اس کو شائع کروا کر اساتذہ میں تقسیم کرتا ہے تو کم سے کم ان تک پیغام پہنچے گا کہ ہمارے ہمدرد کچھ لوگ ایسے ہیں جو خالصتًہ ہماری ہمدردی سے کچھ نیک نصیحتیں کرتے ہیں۔ **سوسائٹی کی اصلاح ہونا بھی آپ کی کامیابی ہے۔ سوسائٹی کی اصلاح کا لازماً مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ضرور احمدی مسلمان ہو جائے۔ اسلامی قدروں کے قریب آنے کا نام اسلام ہے** جب یہ قدریں زیادہ بڑھ جائیں تو ان کا اندرونی طور پر دباؤ انسان کو اس مذہب کو قبول کرنے پر مجبور کرتا ہے جس مذہب سے وہ اس کی قدریں لے کر استفادہ کرتا رہا ہے۔

پس انبیاءؑ کی تاریخ جہاں تک میں نے قرآن کریم میں پڑھی ہے ان کا رجحان یہی تھا، یہی ان کا دستور تھا، یہی ان کی سنت تھی کہ نیکیاں پھیلاتے تھے اور جہاں نیکیاں قائم ہو جائیں وہاں نیکوں سے محبت پیدا ہونا لازم ہے۔ بغیر نیکیاں پھیلائے کسی چیز کی طرف دعوت دینا محض بھرتی کرنے کا نام ہے اس کا کوئی بھی فائدہ نہیں۔ پس اس پہلو کو پیش نظر رکھتے ہوئے مختلف طبقات کو ایسی باتیں کہیں جن کی ان کو ضرورت ہے۔ یہ تبلیغ کی ایک طرز ہے اور بھی بہت سے کام ہیں لٹریچر کے شعبے نے جو لٹریچر تیار کیا ہے اسے مختلف جگہوں تک پہنچانا جہاں شعبہ اشاعت کا کام ہے وہاں اصلاح وارشاد کے سیکرٹری کا یہ کام ہے کہ اپنے مبلغین کے اوپر نظر رکھے کہ کس کس ہتھیار کی ان کو ضرورت ہے۔ اور وہ ہتھیار ان تک پہنچتا بھی ہے کہ نہیں اور کس کس سوال کا ان کو سامنا کرنا پڑتا ہے اس کا جواب ان کو آتا بھی ہے کہ نہیں۔ کہاں کہاں اسلام اور احمدیت کے خلاف منظّم طور پر ایک سازش پنپ رہی ہے اور کس طرح احمدی مخلصین کے ایمان پر ڈاکے ڈالنے کی کوشش کی جارہی ہے اس پر نظر رکھنا اس کے جوابات کی طرف کوشش کرنا مختلف داعیین الی اللہ کی ضرورتیں پوری کرنے کے علاوہ ان کے لئے دُعا کرتے رہنا اور پھر یہ عمومی نظر رکھنا کہ میرے شعبہ میں گزشتہ سال کے مقابل پر اس سال میں کتنا اضافہ ہوا ہے۔ اگر سو احمدی ہوئے تھے تو اس سال کتنے احمدی ہوئے ہیں اور آئندہ سال میں کتنے احمدی بنانے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔ اس میں بھی غیر معمولی دیانت داری کی ضرورت ہے کیونکہ بعض لوگ یہ دعویٰ کر دیتے ہیں جیسا کہ میں نے پہلے بھی ایک مرتبہ مثال دی تھی کہ دُعا کریں کہ میرے سو

احمدی ہو جائیں اور پھر تاریں دینے لگ جاتے ہیں کہ سو احمدی کے لئے دعائیں شروع کر دیں اور سارا سال خود تبلیغ کے لئے اُنگلی بھی نہیں ہلائی ہوتی۔ چپ کر کے بیٹھے رہتے ہیں اور جب وقت گزرنے کے قریب آجائے تو کہتے ہیں جی! ابھی تک سو احمدی نہیں ہوئے اور ان سے اگر پوچھا جائے کہ آپ نے دس سال ہوئے ارادہ کیا تھا۔ ہر سال سال کے آخر پر آپ دُعا کے لئے خط بھی لکھتے رہے اور تاریں بھی دیتے رہے لیکن دس سال میں ایک بھی نہیں بنا تو سو کا دعویٰ کرنے کا آپ کو کیا حق ہے۔ سو کا بلند ارادہ قائم کرنے کا آپ کو کیا حق ہے۔ صداقت سے کام لیں۔ انصاف سے کام لیں جتنی توفیق ہے اس کے مطابق کوشش کریں بڑے بڑے وعدوں سے تو کام نہیں بنے گا۔ پس صلاحیت کا صحیح تخمینہ کرنا بھی تو ایک بڑا کام ہے۔ دعوت الی اللہ کے جو سیکرٹری ہیں ان کا اور اصلاح و ارشاد کے جو سیکرٹری ہیں اگر الگ الگ ہیں تو آپس میں مشورہ کے ذریعے اور اگر ایک ہی ہے تو اپنے دوسرے ساتھیوں سے مشورے کے ذریعہ صلاحیتوں کا تخمینہ کرنا چاہئے اور صلاحیتوں کا تخمینہ محض اعداد سے نہیں ہوسکتا کہ اتنے احمدی ہیں اس لئے اتنے ضرور بن جائیں گے۔ صلاحیتوں کا تخمینہ اس بات سے بھی نہیں ہوسکتا کہ کس نے کتنا وعدہ کیا ہے؟ صلاحیتوں کا تخمینہ اس بات سے ہوگا کہ سیکرٹری اصلاح و ارشاد یا سیکرٹری دعوت الی اللہ ان احمدیوں کا جائزہ لے اور ان کا تخمینہ لگائے کہ کس میں کتنی صلاحیت ہے جس نے گزشتہ دو چار سال میں ایک دو پیدا کیے ہیں ان کی صلاحیت بڑھانے کی طرف کوشش کرے وہ قطعی صلاحیت ہے جو نئے شامل ہو رہے ہیں ان کا جائزہ لینا، ان سے قریب کا تعلق قائم کرنا اور ان کی صلاحیتوں کا اندازہ ہی نہیں لگانا بلکہ ان کی خامیوں کو دور کرنے کی کوشش کرنا، ان کی صلاحیت کو مزید صیقل کرنا یہاں تک کہ تسلی ہو جائے کہ ہاں یہ اب ایک یا دو یا چار یا پانچ احمدی بنانے کا اہل ہو چکا ہے اس کو صلاحیت کا تخمینہ کہتے ہیں۔ محض رپورٹ میں لکھ دینا کہ جی ہم نے دس ہزار کا وعدہ کر لیا ہے۔ دس ہزار بنا کر چھوڑیں گے اور آخر پر پانچ یا دس نکلتے ہیں اور وہ بھی وہی جو پہلے ہی کام کر رہے ہیں۔ انہی کے کاموں کے نتیجہ میں نکلتے ہیں۔

تو یہ صورت حال جو ہے اس کو پیش نظر رکھ کر امراء کو چاہئے کہ وہ اپنے سیکرٹری اصلاح و ارشاد سے بھی ایک میٹنگ کریں۔ جائزہ لیں کہ جب سے وہ بنائے گئے ہیں انہوں نے کیا سوچا ہے؟ کیا کچھ کیا ہے؟ اس کے نتیجہ میں جماعت میں کیا ولولہ پیدا ہوا ہے؟ کیا بیداری پیدا ہوئی ہے؟ پھر ولولے

اور بیداری پیدا کرنے کے لئے بہت سے طریقے ہیں جو اچھے اچھے کام کرنے والے لوگ ہیں ان کی مثالیں دی جائیں جیسا کہ میں نے ایک دو مثالیں انگلستان کی جماعت کی رکھی ہیں ایسی بے شمار مثالیں ہیں جو دنیا میں پھیلی پڑی ہیں۔ بہت اخلاص کے ساتھ افریقہ میں بھی اور امریکہ میں بھی اور یورپ اور ایشیاء کے ممالک میں بھی ایسے احمدی موجود ہیں جنہوں نے نہایت اعلیٰ نمونے دکھا کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ خدا نے جماعت کو صلاحیت عطا کی ہے۔ یہ ثابت کر دیا ہے کہ پیغام میں طاقت موجود ہے، پیغام میں جذب اور کشش موجود ہے اگر کوئی انسان کرنا چاہے تو ضرور کر کے دکھا سکتا ہے۔ امریکہ میں نیو یارک کے احمدی بچے ہیں ان کے متعلق بھی میں نے شاید پہلے ذکر کیا ہے کہ نہیں مگر ان کی تبلیغ سے دن بدن ان کے ساتھی طلباء احمدی ہوتے چلے جا رہے ہیں ایسے ایسے مخلص احمدی بن رہے ہیں کہ ان کے ماں باپ کے دباؤ ان کی سوسائٹی کے دباؤ لیکن انہوں نے کوڑی کی بھی پرواہ نہیں کی۔

اس ضمن میں آج ایک داعی الی اللہ کا ذکر آپ کے سامنے کرتا ہوں جن کی شہادت کی آج اطلاع ملی ہے۔ گوجرنوالہ کے ہمارے ایک داعی الی اللہ تھے۔ ان کا نام محمد اشرف صاحب مہر آف جلھن ضلع گوجرانوالہ ہے ۱۹۸۴ء میں یہ خود احمدی ہوئے نوجوانی کے عالم میں یعنی زیادہ عمر نہیں تھی اور بہت جلد احمدیت میں ترقی کی۔ دعوت الی اللہ کا جنون تھا جو ان کے سر پر سوار تھا۔ مجھ سے بہت گہرا ذاتی محبت کا تعلق تھا۔ ہماری آپس میں خط و کتابت تھی اور بڑی دیر سے مجھے لکھ رہے تھے کہ میں تو جان ہتھیلی پر لئے پھرتا ہوں۔ سارا علاقہ جان کا دشمن ہے اور خون کا پیاسا بنا ہوا ہے۔ سوائے اپنے گھر کے یعنی میری بیوی اور بچوں کے برادری میں کوئی بھی میرا نہیں رہا مگر مجھے تو کوڑی کی بھی پرواہ نہیں ہے میں تو اس کام میں مگن ہوں اور دن رات ان کا یہی پیشہ تھا۔ ان کے اوپر کل رات نہایت ہی بزدلانہ اور کمینہ حملہ ہوا۔ پیرامیڈیکل کوئی تنظیم ہے وہ چونکہ اس میں نائب قاصد تھے، ڈاکٹری کا کسی حد تک علم رکھتے تھے تو ایک نوجوان مریض بن کر آیا اور اس نے کہا کہ میں پھر دوبارہ آپ کے پاس آؤں گا۔ وہ پھر اپنے ساتھ ایک آدمی کو لے کر ان کے گھر آ گیا اور ایک آدمی کا جھوٹا پتا دیا اور ان کی حالت یہ تھی کہ کوئی ان کی بات سُنے تو اس پر فدا ہو جایا کرتے تھے۔ اس شخص نے اتنا کہا کہ میں بھی یعنی ایک قسم کا چھپا ہوا سا احمدی ہوں۔ اسی پر وہ اس پر واری ہونے لگے ایک اور احمدی دوست سے

ملانے کے لئے دوسرے گاؤں گئے۔اس کو علم تھا کہ جس جگہ کا یہ بتا تا ہے وہاں اس نام کا کوئی احمدی نہیں اس نے جب اس کو پکڑا تو اس نے کہا نہیں میں ساتھ کی ایک جگہ کا ہوں۔ بہر حال اپنی معصومیت میں اور تبلیغ کے جوش میں اس سے کہا کہ ہاں پھر بھی آنا تو وہ دوبارہ اپنے ساتھ ایک اور شخص کو لے کر آیا۔رات کو انہوں نے بڑے خلوص اور محبت سے ان کے لئے چار پائیاں بچھائیں کھانے کا کہا انہوں نے کہا نہیں ابھی ٹھہر کر۔ پھر ان دونوں نے ان کے ہاں پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور رات سوتے میں یعنی ایک دو گھنٹے کے بعد ہی سر پر اور چہرے پر پستول سے فائر کئے اور ان کے بچے پر بھی اور جب تک خون گرم تھا یہ اس کے پیچھے دروازے تک بھی بھاگے لیکن وہاں جاتے ہی گرے اور دم توڑ دیا لیکن جو زخمی بچہ تھا وہ بچ گیا ان کی اہلیہ بھی بڑی بہادر اور خدا کے فضل سے بالکل نڈر داعی الی اللہ ہیں ان کے بچوں کا بھی یہی حال ہے اس وقت والدہ نے بچے کو دوڑایا کہ ساتھ کے گاؤں میں جہاں ان بدبختوں میں سے ایک کو ساتھ لے کر گئے تھے جا کر اطلاع کرو۔ جب اس بچے نے اطلاع دی تو وہ سارے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔تو شہید کا بیٹا ان کو تسلی دلا رہا تھا کہتا ہے آپ کو کیا ہو گیا ہے میرا باپ تو نیک انجام کو پہنچا ہے بڑا بہادر آدمی تھا ہمیں اس بات کی کوئی فکر نہیں ہے خدا ہمارا والی ہے اور میری والدہ بھی اس معاملے میں بڑی خوش ہے کہ خدا کی چیز خدا کی امانت خدا کو پہنچی اور بہادری کے ساتھ وفا کے ساتھ اس نے سچائی پر جان دی ہے۔تو ایسے ایسے داعی الی اللہ بھی ہیں جو جان پر کھیل جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ

ع حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا

جماعت میں تو انشاء اللہ شہیدوں کا کوئی بچہ یتیم نہیں رہ سکتا یتیمی کی تو فکر نہیں کیونکہ ساری جماعت اللہ تعالیٰ کی جماعت جس کی سر پرستی کر رہی ہو وہ یتیم کیسے ہوسکتا ہے لیکن اس بہادری کے باوجود پیاروں کی جدائی اور ایسے اچھے پیاروں کی جدائی کا جو دُکھ ہے وہ ایک دم تو نہیں مٹ سکتا بلکہ ایسے دُکھ ہوتے ہیں جو وقت کے ساتھ بڑھ جایا کرتے ہیں ابھی چوٹ گرم ہے ابھی پتا نہیں لگ رہا وقت کے ساتھ ان کی جدائی کا احساس ان کی کمی کا احساس بڑھتا رہے گا۔وہ بھی اس وقت شاید براہ راست میرا خطبہ سُن رہے ہوں گے ربوہ والوں کی طرف سے اور دوسری جگہوں سے جو خط مل رہے ہیں ان خطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ بڑے شوق سے خطبوں میں حاضر ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ

ہماری دیکھنے کی پیاس بُجھ رہی ہے کچھ تو قرب کا احساس ہو رہا ہے اس لئے اللہ کے فضل سے جماعت کی تربیت پر بھی بڑا فرق پڑ رہا ہے۔ گھر گھر میں جہاں پہلے دوسرے پروگرام دیکھنے کے اڈے ہوا کرتے تھے اب پتا لگا ہے کہ لوگ شوق سے Antennas لگا رہے ہیں اور خاص ڈش لگا کر خطبوں میں خود بھی شامل ہوتے ہیں اور ساتھ کے ہمسایوں کو بھی دعوت دیتے ہیں۔ بعض خاندانوں نے اپنے بعض گھروں میں خود Antennas لگائے ہوئے ہیں اور یہ رواج ساری دنیا میں چل پڑا ہے۔ تو مجھے یقین ہے کہ وہ سامنے بیٹھے ہونگے آج شاید ان کا جنازہ بھی ہو چکا ہو تو ان کو میں بہت ہی محبت بھرا اسلام پہنچاتا ہوں اپنی طرف سے بھی اور ساری دنیا کی جماعت کی طرف سے بھی مبارکباد دیتا ہوں کہ اللہ نے بڑی سعادت بخشی ہے اور ایسی سعادت بخشی ہے کہ جس کے نتیجہ میں جدائی کا غم ہونے کے باوجود ایک خوشی اور تشکر کا احساس لازماً دل میں پیدا ہونا چاہئے بڑا خوش نصیب ہے انسان جو اس شان کے ساتھ سر اُٹھاتے ہوئے خدا کی راہ میں اپنا سر دے دے اور اس کی بیوی بچے مبارک کے کتنے مستحق ہیں، کتنے حسین اخلاق کے مالک ہیں اس غم کے موقع پر، صدمے کے موقع پر سعادت پر نظر رکھی ہے اور نقصان پر نہیں رکھی اور جو کچھ پایا ہے اس کے زیادہ ہونے کا احساس ہے جس نے ان کو اس وقت سہارا دیا ہے۔ جو کھویا ہے اس کو معمولی سمجھنے لگے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے سارے کام خود بنائے ان کے سب بوجھ خود اُٹھائے ان کا والی اور ان کا حامی و ناصر ہو اور اس شہادت کو خدا تعالیٰ بہت پھول اور پھل لگائے۔ چوہدری محمد علی صاحب کا ایک شعر ایسا ہے جو خدا کہ نیک بندوں کو پھول پھل لگنے سے تعلق رکھتا ہے۔

ے وہ برگزیدہ شجر لڑ رہا تھا موسم سے
کہ پھولنا تھا اُسے برگ و بار دینا تھا (اشکوں کے چراغ صفحہ:۱۴)

تو احمدیت کا برگزیدہ شجر تو موسم سے لڑتا رہے گا۔ ایک شاخ تراش لو گے ایک پھول توڑ لو گے تو کیا اس شجر کو مار دو گے۔ بہت جاہل ہو یہ تو وہ شجر ہے جو خدا کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا ہے۔ یہ موسم سے اسی طرح لڑتا رہے گا۔ یہ برگزیدہ شجر ہے اسے پھولنا ہے پھلنا ہے اسے برگ و بار دینا ہے اور دیتا چلا جائے گا۔

پس امانت کا حق ادا کرنے والوں کو یہ پیش نظر رکھنا چاہئے کہ ہماری جان بھی امانت ہے

امانت کا حق ادا کرتے ہوئے جان بھی جائے تو وہی مضمون اس پر صادق آتا ہے کہ

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی

حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا (دیوان غالب صفحہ :۶۵)

پس اس جذبہ سے احمدی اپنے حقوق ادا کرنے شروع کریں تو دیکھیں دنیا پر خدا تعالیٰ کے فضل سے کتنی جلدی جلدی اللہ تعالیٰ ان کا رعب قائم کرتا ہے ان کو نشوونما عطا فرماتا ہے ان کو بڑھاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے جب کسی کام کرنے والے پر پیار کی نظریں پڑنے لگ جائیں تو وہیں اس نے اپنے مقصد کو پالیا اور جب خدا کے پیار کی نظر کسی شجر پر پڑتی ہے تو وہ ضرور پھولتا پھلتا ہے ایسا شجر بانجھ رہ ہی نہیں سکتا تو جو عہدیدار ہیں وہ اس طرح کام کریں اس نیت سے کام کریں کہ اللہ کی رضا کی پیار کی نظریں ان پر پڑنے لگیں اور کام کرنے والے خود اپنے اپنے دائرہ کار میں اسی طرح کام کریں کہ مقصود یہی ہو کہ میرے مولیٰ کی محبت اور تحسین کی نظر مجھ پر پڑنے لگے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کتنے پیار اور کتنے ناز سے بار بار فرمایا ہے۔ **سبحان من یرانی سبحان من یرانی** مجھے کیا فکر ہے وہ ذات میرا محبوب پیارا اور بہت پاک ہے اور بہت بلند ہے جو ہر حال میں مجھے دیکھ رہا ہے ایک لمحہ کے لئے بھی مجھے اس کی محبت کی نگاہ چھوڑتی نہیں ہے۔ایسے شخص کے کام کیسے بے پھل کے رہ سکتے ہیں وہی ایک ہے جو آج کروڑ بن گیا ہے۔تمام دنیا میں جس کے نام کا ڈنکا بج رہا ہے جس کی شہرت زمین کے کناروں تک جا پہنچی ہے آج آپ میں سے ہر ایک میں وہ صلاحیت موجود ہے جو اگر خدا کے پیار کا مورد بن جائے ،اس صلاحیت پر خدا کے پیار کی نظر پڑنی شروع ہو جائے تو ضرور چمکے گی ضرور نشوونما پائے گی ،ضرور پھول پھل لائے گی۔امانت کا حق اس طرح ادا کرنے کی کوشش کریں تو دیکھیں خدا تعالیٰ پھر کس طرح آپ سے محبت اور پیار کا سلوک فرماتا ہے۔اور تمام دنیا میں بڑی تیزی کے ساتھ احمدیت کا پیغام پھیلنا شروع ہو جاتا ہے۔

ایک دوسرے شہید کا ذکر بھی میں کرنا چاہتا ہوں۔مبشر احمد صاحب چوہدری مبلغ سلسلہ کانو نائیجیریا میں مبلغ سلسلہ ہیں اور نائیجیریا میں کانوسٹیٹ میں تبلیغی فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ ان کے متعلق آج ہی اطلاع ملی ہے کہ اپنے دیگر دوستوں کے ساتھ تبلیغی سفر پر ایک کار میں کہیں جارہے تھے تو راستے میں کار ایک کھائی میں گر گئی اور وہاں ہمارے عزیز بھائی مبشر احمد نے تو

موقع پر ہی دم توڑ دیا اور دوسرے دو ساتھی زخمی ہوئے لیکن اللہ کے فضل سے ان کی حالت خطرے سے باہر ہے۔ یہ شہید ہیں اوّل اس معنی میں کہ جو بھی مبلغ خدمت دین کے لئے باہر نکلتا ہے اور خدمت دین کی حالت میں جان دیتا ہے بلاشبہ وہ شہادت کا اعلیٰ درجہ حاصل کرتا ہے۔ محض تلوار سے لڑنے والا شہید نہیں ہوا کرتا جو خدا کی خاطر اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر نہایت مصیبت کی حالت میں تنگی اور تکلیف کی حالت میں خدمت دین کے لئے مختلف میدانوں میں نکلتا ہے جس میدان میں اس پر موت آئے وہ یقیناً شہید شمار ہوگا لیکن پھر اس میدان کے اندر وہ وقت اور وہ سفر جس حالت میں انہوں نے جان دی ہے وہ خاص طور پر تبلیغ پر جانے والا سفر تھا۔ ایک اور تیسری بات جو اس معاملہ میں ان کے مقام اور مرتبہ کو شہادتوں میں ایک نمایاں حیثیت دیتی ہے وہ یہ ہے کہ امیر صاحب نے گواہی لکھی ہے کہ ایک سال پہلے مجھے مبشر شہید نے یہ بات بتائی تھی کہ ان کی اہلیہ نے لکھا ہے کہ اس نے خواب میں دیکھا کہ مبشر صاحب کو کفن میں لپیٹ کر پاکستان لایا گیا ہے۔

پس جو کچھ بھی تھا مقدر تھا۔ ہم اس پر راضی ہیں ہمارا بہت پیارا محبت کرنے والا وجود بہت خدمت کرنے والا بھائی ہم سے جدا ہوا ہے بلکہ ایک نہیں دو بھائی آج جُدا ہوئے ہیں۔ ان کی جدائی کا صدمہ تو ضرور ہے۔ لیکن بات وہی سچی ہے جو ہمارے آقا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائی ہے کہ

؎ بلانے والا ہے سب سے پیارا
اُسی پہ اے دل تو جاں فدا کر (درثمین صفحہ: ۱۰۰)

ان دو شہادتوں کو پیش نظر رکھ کر اپنی ذمہ داریوں کو پھر سمجھیں کہ جو شہید ہو رہے ہیں وہ اپنے پیچھے ایک پیغام چھوڑ کر جا رہے ہیں اور وہ پیغام یہ ہے کہ جب تک ہماری پیش گئی جب تک بس چلا ہم نے اپنی تمام طاقتیں اس راہ میں جھونک دی ہیں۔ اب خدا نے ہمیں بُلا لیا ہے تو ہم میں طاقت نہیں ہے کہ ہم مزید کچھ کر سکیں اے وہ جو پیچھے رہ جانے والے ہو! تم اپنے وقت کی قدر کرو۔ دیکھو خدا نے تمہیں مزید خدمت کی توفیق بخشی ہے اپنی ہر طاقت کو اس میں جھونک دو تاکہ جس طرح میں مرتے وقت خدا سے راضی اور خدا مجھ سے راضی ہے تم بھی اس حالت میں جانیں دو کہ تم خدا سے راضی ہو اور خدا تم سے راضی ہو۔ پس اس جذبہ کے ساتھ اگر جماعت دنیا میں کام کرے گی تو دیکھیں کہ کتنی جلدی

جلدی دنیا کی تقدیر بدلے گی۔ دنیا کے حالات تو بہت ہی گندے ہیں لیکن افسوس ہے کہ لوگ نصیحتوں سے فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ امانتوں میں خیانت کرتے ہیں اور سوچتے نہیں کہ خدا کے حضور جوابدہ ہوں گے اور کیسے جواب دیں گے۔

بنگلہ دیش کے حالات آپ کے سامنے ہیں ان کے متعلق میں نے ایک خطبہ میں کھلم کھلا یہ اظہار کیا تھا کہ حکومت اس میں لازماً شامل ہے اور پوری ذمہ دار ہے اور یہ باقاعدہ ایک سازش کے نتیجہ میں ایسا ہوا ہے وہاں جب بعض لوگوں تک یہ بات پہنچائی گئی تو انہوں نے کہا کہ اس بات کا کوئی ثبوت ہے۔ ہم نے کہا ہم جو آپ کو بتا رہے ہیں کہ آئندہ کیا ہو رہا ہے اور کس طرح ہونا ہے وہ خود ثبوت ہے، حکومت کا ردعمل ثبوت ہے لیکن اب ہمیں ایک ایسا ثبوت ملا ہے جو بالکل کھلم کھلا قطعیت کے ساتھ حکومت کے ملوث ہونے کو ثبوت کرتا ہے۔ جماعت نے مختلف ممالک سے مختلف حکومتوں سے جو احتجاج کئے کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ایک ملک سیاست کے دائرہ سے باہر جا کر وہاں ظلم کر رہا ہے جہاں سیاست کا کام ہی کوئی نہیں ہے اپنے دائرہ کار سے باہر ہو کر ظلم کر رہا ہے۔ یونائٹڈ نیشنز کا کام ہے، تم لوگوں کا کام ہے کہ ان پر دباؤ ڈالو اور ان کو بتاؤ کہ اپنے دائرہ کار کے اندر رہیں اور وہاں بھی انصاف کا معاملہ کریں۔ تو ایک بڑے ملک کے جو طاقتور ملک ہے اس کے وزیراعظم نے اپنے ایک ممبر پارلیمنٹ کو ہمارے معاملہ میں جب اس نے ان کو توجہ دلائی تو جواباً لکھا کہ جو جو باتیں آپ نے بیان کی ہیں وہ درست ہیں اس کے علاوہ بھی انہوں نے بعض باتیں بیان کیں۔ جماعت کو جو نقصان کی اور حملے کے طریق کی خبر تھی اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ ان کے اپنے ایمبیسیڈر وغیرہ یا جو بھی اس کام پر مقرر ہیں کی طرف سے ان کو اطلاع مل چکی تھی اور انہوں نے کہا کہ یہی نہیں بلکہ وزیر مذہبی امور (جس کو مذہبی امور کا وزیر کہا جاتا ہے) لیکن دراصل وہ مذہبی فتنہ کا وزیر ہوتا ہے۔ جہاں جہاں بھی مذہبی امور کے وزیر ہیں آپ بلاشبہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ مذہبی فتنہ پھیلانے کا وزیر ہے۔ جہاں مذہبی فتنہ پھیلانے کی ضرورت نہ ہو وہاں مذہبی وزیر کی ہی ضرورت نہیں ہوا کرتی اور بڑا بدنصیب وہ شخص ہوتا ہے جس کو مذہبی وزیر کے طور پر مقرر کیا جائے اس کے سوا اس کی کوئی قیمت ہی نہیں کہ وہ فتنہ پھیلائے گا۔ پس وہاں بھی فتنوں کے اس وزیر نے اس بیرونی حکومت کے وزیراعظم کے بیان اور اقرار کے مطابق یہ اعتراف کیا ہے کہ ہاں حکومت نہ صرف ملوث ہے بلکہ حکومت ہی یہ فیصلے کر بیٹھی ہے کہ یوں ہم نے کرنا ہی کرنا

ہے۔ یعنی شروع سے تمام چال حکومت کی چلائی ہوئی ہے۔

میں ان کو نصیحت کر سکتا ہوں کمزور انسان ہوں ایک ایسی جماعت کا سربراہ ہوں جس کا سربراہ سے بڑھ کر ایک ادنیٰ خادم ہوں اور اسی میں میری عزت ہے کہ میں جماعت کا خادم بن سکوں اس لئے میں جانتا ہوں کہ میری بات کا ان پر کسی قسم کا ایسا اثر نہیں پڑ سکتا کہ وہ جھک کر اُسے سُنیں لیکن جو سچی اور نیکی کی بات ہو اسے جھک کر سننا خود سننے والے کے مفاد میں ہوتا ہے۔ میرے پاس کوئی طاقت نہیں ہے جس کے زور سے میں یہ بات آپ کے دل میں جاگزیں کر سکوں مگر بنگلہ دیش کی موجودہ سربراہ کو میں توجہ دلاتا ہوں کہ دور کی تاریخ نہیں قریب کی تاریخ پر نظر ڈال کر تو دیکھیں۔ جن جن لوگوں نے احمدیت سے یہ سلوک کیا تھا ان کا کیا حشر ہوا اور کیا انجام ہوا اور کیا کہیں بھی احمدیت کا ادنیٰ سا دخل بھی اس انجام میں تھا یعنی ظاہری طور پر احمدیت کی کوششوں سے کیا وہ اس بد انجام کو پہنچے ہیں جس کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں، ہرگز نہیں۔ احمدیوں کا اتنا دخل ضرور تھا کہ احمدیوں پر ظلم کیا گیا اور خدا تعالیٰ نے خود اس کا انتقام لیا ہے اور آنے والوں کے لئے ایک نصیحت، ایک عبرت کا پیغام چھوڑ دیا ہے کہ اگر تم ایسا کرو گے تو تم سے بھی ایسا ہی سلوک کیا جائے گا۔ سب سے پہلے امیر فیصل کے ساتھ جو واقعہ ۱۹۷۳ء میں گزرا ہے وہی تھے جنہوں نے مسلمانوں کی لاہور میں جب Summit کانفرنس منعقد ہوئی ہے تو انہوں نے وہاں پوری طرح اس سازش میں شریک ہو کر جماعت کو غیر مسلم قرار دینے کی پوری حامی بھری اور پھر اس کے نتیجہ میں بھٹو صاحب کو یہ حوصلہ ہوا۔ ان کا کیا انجام ہوا؟ کیا اس سے پہلے کبھی کسی سعودی سربراہ کا یہ انجام ہوا تھا؟ ایک غیر معمولی انجام ہے۔ کوئی عام انجام نہیں ہے۔ پھر بھٹو صاحب کی باری آئی۔ ان کو بھی میں نے ایک دفعہ ذاتی طور پر سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر نہیں سمجھے پتا نہیں کیسے دباؤ میں آگئے تھے اور وہ جس انجام کو پہنچے ہیں وہ آپ کے سامنے ہے۔ کیا حکومت پاکستان کے کسی سربراہ کا ایسا انجام ہوا ہے۔ پھر ضیاء صاحب کی باری آئی۔ ان کو میں نے اس طرح ذاتی تنبیہ نہ کی لیکن خطبہ کے ذریعے کھلے عام ساری دنیا کو سنا کر تنبیہ کی کہ دیکھو تاریخ اپنے آپ کو اس طرح ضرور دُہرائے گی کہ خدا کے بندوں کے ساتھ جس نے ظلم کا سلوک کیا ہے خدا کی تقدیر اس کو خالی نہیں چھوڑے گی۔ ضرور اسے عبرت کا نشان بنائے گی۔ پس میں نے ان کو بتایا کہ رات مجھے اللہ تعالیٰ نے پھر یہ بتایا کہ یہ تاریخ اپنے آپ کو دُہرانے والی ہے۔

میں تمہیں متنبہ کرتا ہوں کہ تم سے کچھ ہو جائے گا۔ اگلا خطبہ آنے سے پہلے پہلے آسمان میں ان کا جہاز پھٹ گیا اور اس کے ساتھ ان کا سارا تکبّر تتّر بتّر ہو گیا اور ذرّہ ذرّہ ہو کر بکھر گیا۔ تین واقعات گزر چکے ہیں۔ ایک بھی ان میں استثناء نہیں ہوا۔ یہ تین ہی ہیں جنہوں نے اس تمام تاریخ میں جماعت کو غیر مسلم قرار دینے میں مرکزی حیثیت مرکزی کردار ادا کیا تھا اگر یہ مجاہد اول تھے، اگر خدا کی خاطر اور خدا کے دین کی خاطر اور محمد مصطفیٰ رسول اللہ ﷺ کے عشق میں ایسا کیا گیا تھا تو کیسا ظالم خدا ہے جو ہر ایسا کرنے والے کے ہاتھ کاٹ دیتا ہے، اس کا سر پاش پاش کر چھوڑتا ہے اور اس سے ایسا سلوک ہوتا ہے جو اس جیسوں سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔ یہ تمام خدا کے غیر معمولی تقدیر کے مظہر بن چکے ہیں۔ کبھی پاکستان کے کسی سربراہ کو پھانسی نہیں دی گئی، کبھی پاکستان کے کسی سربراہ کا جہاز اس طرح آسمان میں پھٹ کر ریزہ ریزہ نہیں ہوا۔ کبھی سعودی عرب کا کوئی بادشاہ اپنے عزیزوں کے ہاتھوں اس طرح ذلت کے ساتھ قتل نہیں ہوا تو اگر بنگلہ دیش کی وزیر اعظم محترمہ نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ وہ تین کو چار کرنے والی ہوں گی یعنی ان معنوں میں تو ان کی مرضی ہے۔ کوئی ان کو روک نہیں سکتا۔ مگر خدا کی تقدیر کو بھی کوئی روک نہیں سکتا۔ آپ جو چاہیں کریں خدا کی تقدیر ضرور آپ کا تعاقب کرے گی اور آپ کو چھوڑے گی نہیں۔ یہ ایک عاجزانہ نصیحت ہے۔ یہ ان معنوں میں پیشگوئی نہیں کہ خدا تعالیٰ نے مجھے معین آپ کے متعلق بتایا ہے مگر میں آپ کو یہ بتا دیتا ہوں کہ میں نے ان تین واقعات سے ایک ایسا قطعی نتیجہ نکالا ہے جس پر بنا کرتے ہوئے میں سمجھتا ہوں کہ آپ کو استغفار سے کام لینا چاہئے توبہ کرنی چاہئے۔ اپنے ملک کو ان مصائب میں نہ دھکیلیں جو مصائب ایسے ظلم کے بعد ضرور پیچھا کیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے اور بنگلہ دیش کے غریب مسلمانوں کا حامی و ناصر ہو۔ آمین

خطبہ ثانیہ سے پہلے حضور انور نے فرمایا کہ آج نماز جمعہ وعصر کے بعد ان دونوں شہداء کی نماز جنازہ ہوگی۔